

Naam Raas Nahi Aya

[کہتے ہیں نام کا بڑا اثر ہوتا ہے اس لیے بچوں کے نام سوچ سمجھ کر رکھنے چاہئیں - میرے بھی کا نام تو فہد تھا یر پیار سے فرہاد ہو گیا پھر زندگی نے ایسا غم دیا کہ اس کا حال آج دیوانوں سے بھی برا ہے - میرے والد کی ملازمت ایبٹ آباد میں تھی۔ یہ علاقہ ان کو اتنا پسند آیا کہ انہوں نے یہاں ایک پلاٹ خرید لیا۔ کہتے تھے میں ریٹائرمنٹ کے بعد اپنا گھر یہیں بنائوں گا۔ والد صاحب نے کسی سبب وقت سے پہلے ریٹائرمنٹ لے لی اور اپنا خواب بھی پورا کیا۔ انہوں نے ایبٹ آباد میں گھر بنوایا اور قریب میں بازار میں ایک دکان بھی خرید لی۔ اباجان نے محنت کی تو بزنس نے ترقی کی اور دکان جنرل اسٹور میں تبدیل ہو گئی۔ اسی بزنس سے ہم خوشحال ہو گئے۔ کچھ عرصے بعد وہ بیمار ہو گئے تو اسٹور میرے بھائیوں ارسلان او فہد نے سنبھال لیا۔ دونوں باری باری جنرل اسٹور پر بیٹھتے تھے۔ فہد کو گھر میں سبھی پیار سے فرہاد بلاتے تھے۔ اس کو بھی عادت پڑ گئی۔ جب بھی کوئی نام پوچھتا تو وہ فوراً ہی اپنا نام فرہاد بتا دیتا۔ آخر اسی نام نے ایک دن اس سے اس کی خوشیاں چھین لیں۔ اس کو ایک لڑکی ملی جس کے فراق میں اسے ایسی چپ لگی کہ وہ اپنے حواس میں نہ رہا۔ وہ اپنی بھولی بھولی آنکھوں سے ہر کسی کے چہرے کو تکتا رہتا یا پھر کسی ویرانے میں درخت کے نیچے جا بیٹھتا اور بپتے گنتا رہتا اس کو اپنی دکان سے بڑا پیار تھا۔ جمعہ کے دن بھی وہ دکان کھول کر بیٹھ جاتا۔ ایک دن جانے کیا اس کے جی میں سمائی کہ اسٹور بڑے بھائی کو سونپ کر نمائش دیکھنے چلا گیا۔ ابھی تھوڑی دور گیا تھا کہ اس کو لڑکیوں کا ایک گروپ اتاد کھائی دیا۔ شاید وہ شاپنگ کرنے نکلی تھیں اور ہمارے جنرل اسٹور کی طرف ہی آرہی تھیں۔ فرہاد واپس پلٹا اور اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ اس نے بڑے بھائی پر کچھ ظاہر نہ کیا۔ یہ تین لڑکیاں تھیں۔ ان میں سے ایک جو اپنی خوبصورتی کی وجہ سے بہت نمایاں تھی ، اس نے کچھ چیزیں دیکھیں اور مختصر خریداری کر کے یہ چلی گئیں لیکن وہ لڑکی بل بھر میں ہی جیسے میرے بھائی کے دل پر گھائو ڈال گئی۔ فہد نے دوبار دکان بھائی کے حوالے کی اور اس کے پیچھے چل پڑا۔ وہ جس دکان پر جاتی ، یہ اس کے پیچھے جاتا۔ اس کا جی چاہا کہ لڑکی کو روک کر اس کا نام پوچھے مگر اتنی ہمت نہ تھی کہ بازار میں بات کرتا۔ آخر کار اسے بھانے سے روک کر کہہ ہی دیا کہ آپ میری دکان پر یہ پر فیوم بھول کر آگئی تھیں، یہ لیجئے۔ اس نے مسکرا کر پر فیوم رکھ لیا حالانکہ یہ پر فیوم کی شیشی جو اس نے خریدی تھی ، وہ اس کے شاپنگ بیگ میں موجود تھی۔ فرہاد کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ وہ دکان جانے کی بجائے گھر آ گیا۔ ساری رات بے چینی سے گزری۔ اسے نیند بالکل نہیں آرہی تھی۔ جب آنکھیں بند کرتا، اس پر پیکر کا چہرہ اس کے سامنے آ جاتا۔ صبح دکان کھولی تو فون کی گھنٹی بجی۔ فون پر کوئی لڑکی تھی۔ بھائی نے پوچھا۔ آپ کون ہیں اور کس سے بات کرتا ہے ؟ اس نے جواب دیا کہ کل آپ کی دکان پر شاپنگ کی تھی۔ آپ نے ایک فاضل پر فیوم کی شیشی مجھے دے دی جبکہ خریدی ہوئی تو میرے بیگ میں موجود تھی۔ اب ایک واپس کرنی ہے۔ میں یہاں اسکول ہاسٹل میں ہوں، آپ آکر اپنی امانت واپس لے جائیے۔ وہ شام کو اس کے ہاسٹل گیا۔ پر فیوم نہ لیا بلکہ اصرار کر کے اس کو دے دیا۔ البتہ دونوں میں کچھ باتیں ہوئیں اور اس کے بعد فون پر باقاعدگی سے باتیں ہونے لگیں۔ اس لڑکی نے جب بھائی سے اس کا نام پوچھا تو اس نے سادگی سے فرہاد بتا دیا۔ لڑکی نام سن کر ہنس پڑی۔ میرے بھائی نے بھی سوال کیا۔ تمہارا نام کیا ہے ؟ بولی۔ اگر تمہارا نام فرہاد ہے تو میرا نام شیریں سمجھ لو دونوں آپس میں ملتے نہیں تھے البتہ فون پر رابطہ رکھتے تھے۔ ایک دن اس نے بتایا کہ اس کے گھر والے اسے لینے آرہے ہیں کیونکہ سالانہ امتحان کے پرچے ختم ہو گئے ہیں ، وہ اب ہاسٹل سے چلی جانے کی ۔ فرہاد یہ سن کر اداس ہو گیا۔ اگلے دن و دکان پر خداحافظ کہنے آئی۔ اس کو اپنی بہنوں کے لئے کچھ چیزیں بھی خریدنی تھیں۔ بھائی کو اداس دیکھ کر شیریں کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ وہ چلی گئی تو میرے بھائی کا بھی دکان پر دل نہ لگا اور وہ بھی گھر آ گیا۔ راستے میں اسے بڑا بھائی ملا ۔ فرہاد! کدھر جارہے ہو اور دکان کس پر چھوڑ کر آ گئے ہو ؟ بھائی جان ! میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے ، دکان بند کر کے گھر جا رہا ہوں۔ فرہاد کو پتا نہ چلا کہ اپنی سوچوں میں مگن وہ گھر سے کافی آگے نکل آیا ہے ۔ لیکن تم تو گھر سے کافی دور آ گئے ہو۔ اچھا! وہ شر مندہ ہو گیا۔ یہ بے خودی کی وہ کیفیت تھی جس پر اس کا اختیار نہ تھا۔ اگرچہ اس کی محبت صاف ستھری تھی مگر آج دل کی عجیب کیفیت تھی۔ آج سارے حال حول اجنبی اجنبی لگ رہا تھا۔ خاموشی سے کمرے میں جا کر لیٹ گیا۔ ماں نے کھانے کا پوچھا تو آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ امی نے بیٹے کی یہ حالت دیکھی تو ان کی چیخ نکل گئی۔ ماں کی چیخ پر گھر والے دوڑے آئے ۔ والد صاحب نے پوچھے کیا بات ہے ؟ فرہاد نے کہا۔ سر میں درد ہے ، طبیعت ٹھیک نہیں ہے ۔ وہ فوراً ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ ڈاکٹر نے چیک کیا لیکن کوئی بیماری نہ جان سکا۔ ظاہر ہے بیماری تو کوئی نہ تھی مگر یہ ایسا مرض تھا کہ جس کا علاج ڈاکٹر کے پاس نہیں تھا۔ فرہاد کو پھر بھی ڈاکٹر نے بلڈ ٹیسٹ کے لئے اسپتال میں داخل کر دیا۔ تیسرے روز وہ اسپتال سے بھی بھاگ کر گھر آ گیا کیونکہ شیریں کی یاد اس کو اندر ہی اندر کھا رہی تھی ۔ فون کا انتظار تھا تبھی دکان پر آ بیٹھا۔ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے ۔ دکان پر آئے تھوڑی دیر گزری تھی کہ اس کا فون آگیا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ جب سے گھر آئی ہوں ، دل نہیں لگتا۔ تمہاری یاد نے مجھے بہت افسردہ کر رکھا ہے۔ میں اس اداسی سے نکل ہی نہیں پارہی ہوں۔ کھانے کو جی کرتا ہے اور نہ کچھ کرنے کو ، خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے۔ لگتا ہے مرنے جاؤں گی۔ میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔ اس نے فرہاد کو جگہ بتائی۔ وہ جگہ ایبٹ آباد سے سو کلومیٹر دور تھی۔ فرہاد اگلے دن وہاں پہنچا۔ آدھ گھنٹے کے انتظار کے بعد وہ آتی دکھائی دی۔ اپنی ایک سہیلی کے ساتھ آرہی تھی۔ آتے ہی کہا۔ رانجھا! جانتی نہ تھی کہ میرے دل میں تمہاری محبت بس گئی ہے۔ اب تمہارے بغیر ہی نہ سکوں گی۔ تمہیں مجھ سے شادی کرنا ہو گی۔ اس کی بے باکی پر فرہاد منہ تکتا رہ گیا۔ کس سوچ میں کھو گئے ہو ؟ کیا تم کو میں پسند نہیں؟ یہ بات نہیں ہے ۔ پہلے تو تمہارے گھر والوں سے بات کرنا ہو گی۔ وہ راضی ہوں گے تو میں اپنے گھر والوں سے بات کروں گا لیکن مجھے تو ڈر ہے کہ میرے گھر والے بھی راضی نہ ہوں گئے ۔ وہ بھی یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ سامنے سے کچھ لڑکے آ گئے اور ان کے پاس آکر کھڑے ہو گئے شیریں ان کو دیکھ کر گھبرا گئی۔ اس کے منہ سے نکالا۔ بھائی جان ! آپ یہاں ؟ ان میں سے ایک اس کا بھائی تھا۔ فرہاد کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ لڑکی کے بھائی نے بہن کو چلے جانے کو کہا۔ ظاہر ہے وہ انکار نہ کر سکتی تھی ، وہ دونوں چلی گئیں۔ دراصل جہاں فرہاد اور شیریں بیٹھے تھے ، وہ جگہ ایک سیر گاہ تھی اور وہ اس لڑکی کے گھر سے نزدیک تھی۔ اس کا بھائی اپنے دوستوں کے ساتھ یہاں گھومنے آیا ہوا تھا۔ وہ فرہاد سے تین چار سال بڑا تھا اور اس کے تینوں دوست بھی میرے بھائی سے عمر میں بڑے تھے۔ بھاگنے کا موقع تھا لیکن میرے بھائی نے بھاگ جانے کو مناسب نہ سمجھا شیریں کے بھائی نے

سکتا تھا۔ قسمت اچھی فریاد کو گھونسا مارا اور پھر اس کے دوست بھی اس پر پل پڑے۔ وہ اکیلا تھا، ان کا مقابلہ نہیں کر تھی کہ وہاں سب لوگ جمع ہو گئے جنہوں نے ان چاروں حملہ آوروں کو قابو کر لیا۔ فریاد تیزی سے بجوم سے نکل بس کے اڈے آیا۔ بس تیار کھڑی تھی، وہ اس میں سوار ہو کر اپنے شہر روانہ ہو گیا۔ انہوں نے پیچھا بھی کیا مگر بس نکل چکی تھی۔ فریاد کو اب اپنی فکر نہ تھی، بس یہی اندیشہ تھا کہ یہ شیریں کومار ڈالیں گے یا اس پر کڑی پابندیاں لگا دیں گے اور پھر جلد از جلد شادی کر دیں گے۔ انہی سوچوں میں سفر کا پتا بھی نہ چلا کہ کیسے ختم ہو گیا۔ گھر پہنچا تو پنا بوش نہ تھا۔ ماں نے دیکھا تو پوچھا۔ بیٹا! یہ تیری کیا حالت ہے، کسی نے مار پیٹ دیا ہے؟ تب اسے اپنا بوش آیا۔ خود پر نظر ڈالی تو کپڑے پھٹ گئے تھے، گھونسے کھانے سے منہ سوچ گیا تھا۔ انینہ دیکھ کر سخت شرمندگی ہوئی۔ ماں کو کسی طرح ٹالا۔ رات کا وقت تھا، وہ اپنے کمرے میں جا گھسا اور کندی لگالی۔ تمام رات اسی فکر نے سونے نہ دیا۔ بدن دکھ رہا تھا، صبح دکان پر بھی نہ جا سکا۔ دس دن فریاد نے اس فکر میں گزارے کہ کہیں اس کو اس کے بھائیوں نے مار نہ دیا ہو۔ وہ یہی بات سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا تھا۔ اس کو خبر ہوتی کہ وہ اس لڑکی سے مل کر ایسا بیگانہ ہو جائے گا تو بھی اس کے پیچھے نہ جاتا۔ شاید یہ اس کے اختیار سے باہر تھا۔ وہ زندہ تھا مگر مردہ جیسا تھا۔ کسی سے بات کرنے کو دل کرتا تھا اور نہ دکان داری کو... اگر سودا لینے والے سیدھی بات کرتے تو بھی اس کو برا لگتا۔ وہ ابشیریں کے فون کے انتظار میں ہی دکان پر جاتا تھا۔ کچھ دن فون کی گھنٹی خاموش رہی، فریاد کی سانس بھی گھٹی گھٹی رہی۔ وہ مایوس ہو چلا تھا۔ اس کو اس کا جواب نہیں مل رہا تھا کہ خدا جانے لڑکی کے بھائی نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ اس کو اس سوال کا جواب دینے بھی کوئی نہ تھا۔ ایک دن پھر سے فون کی گھنٹی بجی۔ شیریں کا فون تھا۔ آواز سن کر بے اختیار فریاد کے منہ سے نکلا شیریں! اب تو اپنا صحیح نام بتادو، کیا تم زندہ ہو یا...؟ بتادوں گی جب تم اپنا اصل نام بتاؤ گے اور کیا تم کو میرے مرنے جانے کا یقین تھا؟ نہیں، لیکن الجھن میں ہوں کہ گھر والوں نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا۔ بھائیوں نے مل کر خوب مارا اور پھر کمرے میں دس روز تک بند رکھا۔ آج ایک کزن کی منگنی ہے۔ سب گھر والوں کے ساتھ میں کزن کے گھر آئی ہوں اور یہاں سے چپ کر فون کر رہی ہوں۔ ایک ماہ بعد میری شادی ہے، اگر تم مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو تو ایک ماہ بے ہمارے پاس، ہم شادی کر سکتے ہیں۔ مگر ایسی شادی میں تو گھر والوں کی رسوائی ہے۔ تم صبر سے کام لو۔ فریاد نے اسے سمجھایا۔ تو پھر تم کر لو صبر۔ اس کے بعد ساری زندگی صبر سے کام لینا ہو گا۔ یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ فریاد پہلے سے زیادہ پریشان ہو گیا۔ اسی وقت دکان بند کی اور گھر آ گیا۔ سوچ رہا تھا کہ وقت کم ہے۔ گھر والوں سے بھی بات نہیں کر سکتا۔ لاکھوں کا کاروبار تھا، وہ الگ ختم ہو رہا تھا۔ وہ دکانداروں سے بھی غافل ہو رہا تھا۔ اس کو خبر تھی کہ لڑکی کے گھر والے کجا، خود اس کے گھر والے بھی راضی نہ ہوں گے۔ بڑا بھائی کسی ضروری کام سے پشاور گیا ہوا تھا۔ فریاد نے اٹھ دن دکان نہ کھولی، خرابی طبیعت کا بہانہ کئے رکھا۔ نویں دن والد صاحب کے اصرار پر دکان کھولی تو فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ ریسپور اٹھایا۔ شیریں بولی۔ تین دن سے مسلسل فون کر رہی ہوں، تم فون کیوں نہیں اٹھاتے، طبیعت تو ٹھیک ہے؟ میں بیمار تھا۔ رانجھانے بتایا۔ بیمار تو میں بھی ہوں مگر اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ تم کل دو بجے فلاں جگہ آ جانا، میں تم کو اپنے گھر بلو حالات سے بھی غافل ہو رہا چاہتی ہوں۔ اتنا کہہ کر شیریں نے فون رکھ دیا اور وہ ریسپور کان سے لگائے سوچتا ہی رہ گیا کہ کیا کروں۔ اس کو رات بھر نیند نہ آئی۔ اس روز کی ملاقات یاد تھی۔ اچھی درگت بنی تھی، دو بارہ جانے کا حوصلہ نہ پڑتا تھا۔ خود کو بہت روکا مگر اس راہ خطر کی طرف خود بخود قدم اٹھتے جاتے تھے۔ اس کی بتائی ہوئی جگہ جا پہنچا۔ تین گھنٹے بعد وہ آتی دکھائی دی۔ آج وہ اکیلی تھی۔ ہاتھ میں تھیلا پکڑ رکھا تھا۔ پوچھا۔ یہ کیا ہے؟ یہ میرے کپڑے ہیں، اب میں گھر واپس نہیں جاؤں گی۔ اگر تم مجھ کو ساتھ لے جانا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ میں یہاں سامنے پہاڑ پر سے چھلانگ لگا دوں گی۔ اس کے قدم اب بھی من من بھر کے ہو رہے تھے لیکن لڑکی دلیر تھی، اس کا بازو پکڑے تھی۔ فریاد کیا سوچ رہے ہو؟ چلو اٹھو وقت کم ہے۔ میرے گھر والے مجھ کو تلاش کرتے ہوں گے۔ وہ یہاں آگئے تو ہم دونوں کو مار دیں گے۔ فریاد بادل ناخو استہ اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اس کے ساتھ قدم بڑھانے لگا۔ جاتے تو کہاں جاتے، بس اسٹینڈ پر آکر کھڑے ہو گئے مگر خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ایک گھنٹہ گزر گیا، کوئی گاڑی نہ ملی۔ فریاد گم سم تھا جیسے اندھا، گونگا اور بہرہ ہو گیا بوشیریں کی آواز بھی اس کو سنائی نہ دے رہی تھی جو چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔ وہ سامنے دیکھو، نشیبی راستے پر میرا بھائی اور اس کے ساتھ نجانے کون کون لوگ آ رہے ہیں۔ بھاگ جاؤ فریاد! خدا کے لئے یہاں سے بھاگ چلو ورنہ وہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ میں تم کو چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔ مرنے جانوں گا مگر تم کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جانوں گا۔ نہیں دیکھو وہ ایک دو نہیں دس پندرہ آدمی ہیں اور ان کے ہاتھ میں اسلحہ بھی ہے۔ وہ اسی ارادے سے آ رہے ہیں کہ ہم کو جان سے مار دیں گے۔ ہم دونوں کا اب تمہارے بھائی کے ہاتھوں مرنے جانا ہی بہتر ہے لیکن شیریں مرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ اس نے خدا اور رسول کی قسمیں دے کر کہا کہ یہ بیگ لے لو، اس کو آگے جا کر کہیں نالے میں پھینک دینا۔ میں تمہارے ساتھ بھاگ نہیں سکتی کیونکہ میں تیز نہیں بھاگ سکتی اور میری وجہ سے تم بھی پکڑے جاؤ گے۔ وہ یہاں آتے ہی مجھ سے الجھ جائیں گے۔ اتنی دیر میں تمہیں نکل بھاگنے کا موقع مل جائے گا۔ مجبور ہو کر فریاد نے اس کا بیگ تھاما اور مخالف سمت میں بھاگ کھڑا ہوا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ پہاڑوں کی اوٹ میں نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا تجھی وہ تمام شیریں کے سر پر آ پہنچے جس نے خود کو ایک پتھر پر گرا لیا تھا اور اب بے ہوش پڑی تھی۔ فریاد بھاگنے بھاگنے جنگل میں پہنچ گیا تھا۔ یہ سردیوں کے دن تھے، شام قریب تھی۔ خوف کی وجہ سے اس کو وہیں پڑاؤ کرنا پڑا۔ ساتھ کوئی چادر تھی اور نہ کھانے پینے کا سامان۔ شیریں کے کپڑوں کا تھیلا تو اس نے راستے میں نالے کے تند و تیز پانی کے سپرد کر دیا تھا۔ نزدیک کوئی بستی بھی نہ تھی۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر اس نے اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دیا اور ایک درخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ اس کی زندگی کے دن باقی تھے جو اتنی سردی کے باوجود وہ بچ گیا۔ کالی لمبی رات جوں توں کر کے گزر گئی مگر یہ رات قیامت سے بڑھ کر لمبی تھی۔ صبح ہو پھٹتے ہی وہ درخت سے اترا اور روانہ ہو گیا۔ راستے کا پتا نہ تھا، کوئی جاننے والا نہ تھا بس خود کو قسمت پر چھوڑ دیا۔ جس راستے سے آیا تھا، وہ بھول چکا تھا۔ گھنٹہ بھر یو نہی چلتا گیا بالآخر سامنے سے ایک شخص کھائی دیا۔ وہ جنگل سے لکڑیاں لے جا رہا تھا۔ فریاد نے اس سے بڑی سڑک کے بارے میں پوچھا۔ وہ کوئی نیک دل انسان تھا۔ کہنے لگا۔ سڑک تو بہت دور ہے، تم راستہ بھول جاؤ گے، میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ وہ فریاد کے ساتھ ہو گیا۔ کافی دیر کے بعد وہ بڑی سڑک پر پہنچ گئے۔ فریاد نے اس کو کچھ رقم دی کہ وہ بہت غریب تھا۔ اس نے اتنا وقت بھی فریاد کی خاطر خراب کیا تھا۔

کر گھر آ گیا۔ گھر فریاد وہاں کسی سواری کے انتظار میں کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد گاڑی آگئی۔ وہ گاڑی میں بیٹھ والوں نے پوچھا۔ کہاں چلے گئے تھے اور یہ کیسی حالت بنا رکھی ہے؟ ایک دوست کے پاس چلا گیا تھا۔ وہ بیمار تھا، اس نے رات مجھ کو اپنے ساتھ رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ رانجھانے ہم سے بہانہ کیا اور اپنے بستر پر گرا تو ہوش ہی نہ رہا کیونکہ رات بھر سردی میں درخت پر بیٹھے رہنے سے حالت خراب ہو چکی تھی۔ اگلے دن اٹھا تو حالت کچھ بہتر تھی۔ شکرانے کے نفل پڑھے کہ اللہ پاک نے عزت اور زندگی دونوں رکھ لی تھیں مگر اب فکر تھی توشیریں کی، اس کو یقین ہو گیا کہ اس کو تو اس کے بھائیوں نے اگلے جہان پہنچا دیا ہو گا۔ اس کے بعد والد صاحب کی علالت دیکھتے ہوئے اس کو احساس ہوا تو وہ بلا ناغہ دکان پر بیٹھنے لگا۔ اب بھی فون کی گھنٹی پر دل دھڑک اٹھتا تھا کہ شاید شیریں کا فون ہو مگر اس کا فون نہ آیا۔ خدا جانے اس پر کیا بیٹی تھی۔ دوماہ یونہی گزر گئے۔ جب فون کی گھنٹی بجتی، اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی کہ میرا اسی کا فون ہو گا لیکن وہ کسی اور کا ہوتا اور فریاد مایوس ہو جاتا۔ دن یونہی گزرتے گئے، اس لڑکی کا کچھ پتا نہ چلا۔ حالت یہ تھی کہ فریاد صبح مشکل سے ہی دکان پر جا پاتا اور شام کو گھر آجاتا۔ وود کان پر جاتی بی بی امید لے کر کہ شاید آج شیریں کا فون آجائے ورنہ اس میں تو اب چلنے کی بھی ہمت نہ رہی تھی۔ ایک دن فون کی گھنٹی بجی، فریاد نے فون اٹھایا۔ ایک لڑکی بول رہی تھی۔ اس نے پوچھا کہ فریاد ہے؟ میں بول رہا ہوں۔ بھائی نے جواب دیا۔ میں صنوبر کی سہیلی بول رہی ہوں فریاد! اب کو یہ بتانا تھا کہ میری دوست اور آپ کی شیریں اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ یہ سن کر فریاد کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ میں صحیح کہہ رہی ہوں۔ آپ کو یاد ہو گا جب پہلی بار اس نے آپ کو ملنے کے لئے سیر گاہ میں بلایا تھا تو میں ساتھ تھی۔ اس نے مجھے آپ کا نمبر دیا ہوا تھا۔ کہا تھا اگر بھی مجھے کچھ ہو جائے تو فریاد کو بتادینا۔ پھر اس دن اس کو اس کے بھائی گھر نہیں لانے تھے بلکہ وہیں بے ہوشی میں ہی اس کا گلاد باکر پہاڑ کے اوپر سے نالے میں میں پھینک دیا تھا۔ انہوں نے اس کے قدموں کے نشانات کے ساتھ ساتھ کسی اور کے قدموں کے نشان بھی دیکھے تھے۔ اس کا ایک بھائی دکان پر تم کو دیکھنے بھی آیا تھا تو اس وقت تمہارا بھائی دکان پر موجود تھا۔ وہ یہی سمجھے کہ تم دکان پر موجود ہو اور ان کی بستی میں نہیں آئے، کوئی دوسرا آیا ہے۔ اس نے جا کر یہی کہا کہ جس پر تم لوگ شک کر رہے ہو وہ تو اپنی دکان پر بیٹھا ہے شاید وہ کسی اور کے ساتھ گئی تھی۔ خدا نے تم کو بچانا تھا، سو تم بچ گئے ورنہ تمہارا مارا جانا بھی یقینی تھا۔ خدا جس کو زندہ رکھنا چاہے، دشمن کو اندھا کر دیتا ہے۔ فریاد کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس نے ریسیور رکھ دیا، دکان بند کی اور گھر آگیا۔ اس کو اپنے بچ جانے کی کوئی خوشی نہ تھی۔ غم تھاتوشیریں کے ٹوب جانے کا جس کا اصل نام اس کی سہیلی نے بتایا تھا کہ صنوبر ہے۔ صنوبر کا غم میرے پیارے بھائی فریاد کو آج بھی ہے۔ اب ہم اس کو اس کے اصل نام سے ہی بلاتے ہیں کیونکہ گھر والوں کا خیال ہے کہ اس کو فریاد نام راس نہیں آیا۔"]